International Journal of Human and Society (IJHS)

P-ISSN: 2710-4966	E-ISSN: 2710-4958
Vol. 5. No. 02 (April-June) 2025	Page 20-28

خیبر پختونخواہ کے افسانے میں سیاسی و سماجی ناہمواریوں کے خلاف مزاحمت

Dr. Inayat Ullah Khan	PhD, Department of Urdu, University of Peshawar inayatullahkhan5918@gemail.com
Dr. Muhammad Sahib Khan	Assistant Professor, Department of Urdu, University of Chitral
Dr. Ahmad Wali Khan	Lecturer, Department of Urdu, University of Peshawar

Abstract: *Resistance means not only to oppose every possible form of oppression and exploitation, but also to stand up against oppression and exploitation in literature or in practice. The multiple colors of resistance are found in the short stories of Khyber Pakhtunkhwa from the beginning to the present era. There are intellectual and artistic elements of resistance against class, gender and religious oppression and exploitation in the Urdu short stories of Farigh Bukhari, Raza Hamdani, Mazhar Gilani, Syed Amjad Altaf, Sahar Yousafzai, Fahmida Akhtar, Munawwar Rauf, Ejaz Rahi, Yusuf Aziz Zahid, Anwar Khawaja, Mushtaq Shabab, Owais Qarni and Izharullah izhar. The different shades of sexual, social, political resistance could be seen and observed in the short stories of Khyber Pukhtunkhwa. In this research paper, a scholarly analysis of the different forms of resistance in the fictions of the above fiction writers has been analyzed in full detail.*

Keywords: Fiction, Short Stories, Khyber Pukhtunkhwa, Resistance, Social, Sexual, Class, Political, Analysis

کلیدی الفاظ: افسانوی ادب، افسانہ، خیبر پختونخوا، مزاحمت، سماجی، جنسی، طبقاتی، سیاسی، تجزیہ

ادب ہمیشہ سے سماج کا عکاس رہا ہے۔ تاریخ ادب کو اگر ابتدا سے دیکھا جائے تو ہمیشہ سے ادب سماج کی عکاسی کرتا نظر آیا ہے۔ چاہے ادب برائے ادب کا نظریہ ہو یا ادب برائے زندگی کا، رومانیت ہو یا کلاسیکیت، تمام ادبی نظریات میں ادب نے کہیں فرد کے تناظر میں معاشرے کو دیکھا ہے اور کہیں معاشرے کے تناظر میں فرد کو۔ گویا سماج اور ادب کا تعلق ہمیشہ سے رہا ہے۔ ادب زندگی ہے اور زندگی انسان کو سماج میں گزارنی ہوتی ہے، اس لیے ادب میں زندگی کے جو مسائل ملتے ہیں وہ سماج یا معاشرتی مسائل ہی ہوتے ہیں۔ چاہے سیاسی مسائل ہوں یا مذہبی، جذبات و احساسات کا بیان ہو یا معاشرتی برائیوں کا، ادب کی تخلیق سے سماج متاثر ہوتا ہے اور سماجی مسائل سے ادب۔

افسانے کی ابتدا اردو ادب میں اس دور میں ہوئی جب دنیا بھر میں تحریکیں چل رہی تھیں۔ مظلوموں کے حقوق کے لیے آوازیں اٹھائی جارہی تھیں۔ حکومتوں کے خلاف ادب میں باغیانہ عناصر شامل ہورہے تھے۔ منشی پریم چند ابتدائی افسانہ نگار ہیں جنہوں نے ان مسائل کے تحت افسانے لکھے اور ترقی پسند تحریک کا افسانے کے ذریعے اپنے مقاصد کے حصول کا راستہ دکھایا۔ ترقی پسند تحریک پہلی تحریک تھی جس نے ادب کو سیاسی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا اور

ایسے افسانے لکھے جو سیاسی و سماجی مسائل کا واضح عکس تھے۔ اس تحریک کے افسانہ نگاروں میں پریم چند کے علاوہ سعادت حسن منٹو، کرشن چند، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی جیسے افسانہ نگار شامل تھے جن میں بعض نے مختلف سماجی برائیوں اور بعض نے سیاسی جبر کو ہدفِ تنقید بنایا۔ بقول طاہرہ اقبال:

"افسانے میں ترقی پسند تحریک کے افسانہ نگاروں کی اہمیت اس بات سے ہے کہ انھوں نے پہلی بار سیاسی و سماجی مسائل پر ایک واضح موقف اختیار کیا اور افسانے کو نئے رجحانات سے آشنا کیا۔ اگر یہ تحریک نہ ہوتی تو افسانہ اتنے مختصر وقت میں اتنی ترقی کبھی نہ کرپاتا"۔(۱)

جہاں تک خیبر پختونخواہ کے افسانے کا تعلق ہے تو اس خطے میں بھی افسانے کی ابتدا ترقی پسند تحریک کے ساتھ ہی ہو چکی تھی۔ خیبر پختونخوا کے پہلے صاحبِ مجموعہ افسانہ نگار فارغ بخاری کا تعلق ترقی پسند تحریک کے ساتھ تھا۔ فارغ بخاری کا افسانوی مجموعہ ۱۹۳۵ء میں "عورت کا گناہ" کے نام سے شائع ہوا۔ اس مجموعے میں معاشرے میں عورت کے مسائل کو موضوع بنایا گیا۔ فارغ بخاری کے افسانوں کا مرکزی موضوع اگرچہ خیبر پختونخوا میں عورت کی سماجی حیثیت ہے، تاہم ضمنی طور پر اور بھی کئی سماجی برائیوں کا بیان ان افسانوں میں ملتا ہے۔

فارغ بخاری اور رضا ہمدانی کا مشترکہ مرتب کردہ افسانوی مجموعہ "اٹک کے اس پار" کے نام سے طبع ہوا جس میں معاشرتی برائیوں کے مختلف پہلوؤں کو مزاحمت کا نشانہ بنایا گیا۔ مذکورہ مجموعے میں شامل قتیل شفائی کا ایک افسانہ "خوبانیاں" میں پختونوں میں موجود توہم پرستی کو ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ افسانے کا مرکزی کردار نوروز ہے جو نہ صرف خود توہم پرست ہے بلکہ لوگوں کو بھی ایسی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ مصنف نے کردار کا تعارف یوں پیش کیا ہے۔

"نوروز پرانی وضع کا ایک بااخلاق اور متوکل کردار تھا۔ شروع میں اسے گاؤں کے مولوی صاحب کی تعلیمات نے متاثر کیا تھا اور وہ مسجد کا تنکا بن کر رہ گیا۔ سردی ہو یا طوفان، وہ باقاعدگی سے مسجد آتا اور اڑوس پڑوس کے لوگوں کو بھی ساتھ لاتا"۔(۲)

مذکورہ مجموعے کا ایک اور افسانہ "پور" کے نام سے بہت اہم ہے جس کو عبدالودود قمر نے پشتو کے معروف شاعر غنی خان کے پشتو افسانے سے ترجمہ کیا ہے۔ اس افسانے میں دو مقامی خوانین کی آپس کی لڑائی دکھائی گئی ہے۔ غیرت کے نام پہ قتل اور جائیداد کے لیے اپنوں کا قتل اس افسانے میں ہدفِ تنقید بن گیا ہے۔ اس افسانے کا کردار شیر خان کا باپ اس ڈر سے تارکِ الدنیا ہو جاتا ہے کہ اس کے چچازاد بھائی اسے مار نہ دیں۔ شیر خان کا باپ مسجد کو اپنا ٹھکانا بنا کر عبادت میں مشغول رہتا ہے جبکہ اس کی یہی دین داری اس کے لیے بے غیرتی کا طعنہ بن جاتی ہے۔ بقول راوی:

"شیر خان کا باپ ایک نیک دل خان تھا لیکن کمزور تھا۔ اس کی جائیداد میں اس کے طاقتور چچازاد بھائی شریک تھے۔ طاقت کے حصول کے لیے ان میں ہر وقت تناؤ رہتا تھا۔ شیر خان کی والد کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے اس چیز کی تلافی دینداری میں ڈھونڈی تھی۔ ریوالور بیچ کر اس نے تسبیح خریدی اور مسجد کا ہو کر رہا۔ وہ دن رات خوفِ خدا سے کانپتا رہا لیکن سچ یہ ہے کہ یہ خوف خدا کا نہیں اس کے تربوروں کا تھا۔ وہ تمباکو اور نسوار کی برائیاں بیان کرتا رہتا اور دورانِ وعظ اپنی داڑھی سے کھیلتا رہتا"۔(۳)

مذکورہ مجموعے میں ابوالفضل کا افسانہ "مہمانے آمد مہمانے رفت" کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں مرکزی کردار پلنگ خان اور جبال خان پختون معاشرے کے نمائندہ کردار ہیں۔ ان کرداروں کے توسط سے پختون معاشرے کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیوں کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک طرف یہ کردار حد درجہ مہمان نواز ہیں اور

انگریزوں کے ساتھ جنگِ آزادی لڑنے میں پیش پیش ہیں تو دوسری طرف یہ کردار اغوا برائے تاوان اور غیرت کے نام پر انسانوں کا قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس افسانے میں ایک اور کردار بادام خان صنعتی دور کا مفاہمت پسند کردار ہے جس کے ذریعے مصنف نے بتایا کہ اس دور میں کس طرح اپنے مفاد کے لیے مفاہمت کا راستہ اپنایا جاتا ہے۔

رضا ہمدانی کا افسانہ "غوبل" سیاسی مزاحمت کی بہترین مثال اور مذکورہ مجموعے کا سب سے اہم افسانہ ہے۔ اس افسانے میں گلاب کاکا کسانوں کا نمائندہ کردار ہے جو سرکار کی طرف سے نامزد جاگیر دار کے ظلم و ستم کے ساتھ علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ اس کا مکالمہ جاگیر دار سے یوں ہوتا ہے:

"خان یاد رکھو۔ ہمارا یہ مطالبہ بجبر یا بخوشی تمھیں ماننا ہی پڑے گا" مڑتے ہی گلاب کاکا نے فل کی بھڑاس نکال دی۔

"تمہارے ہاتھ آزاد ہیں جو کرنا ہے کرلو۔ میں دیکھتا ہوں تم کمینوں میں کتنی طاقت ہے" خان نے گرج کر کہا۔

"عزت ہر ایک کی اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے خان۔ ذرا زبان سنبھال کے بات کرو۔ ہم غریب سہی لیکن بے غیرت نہیں۔ ہماری رگوں میں بھی پختون خون ہے"۔(۴)

اس مکالمے کے بعد خان کسانوں کو نکالنے کی دھمکی دیتا ہے۔ گلاب کاکا ڈٹ جاتا ہے۔ خان کے غنڈے اس پر حملہ کرتے ہیں۔ گلاب کاکا اور کچھ کسان شہید ہو جاتے ہیں جس کے بعد خان کے غنڈوں کو بھی ترس آتا ہے اور وہ کسانوں کے ساتھ مل کر خان کا خاتمہ کرتے ہیں۔ اس افسانے میں سیاسی جاگیر دار کے خلاف مزدور انقلاب برپا ہوتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ یہ ترقی پسند سوچ کا حامل افسانہ ہے جو فنی و فکری پختگی کے سبب اس مجموعے کا سب سے بہترین افسانہ ہے۔ اس مجموعے کے بارے میں ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار کا کہنا ہے:

اس کتاب کے مرتبین فارغ بخاری اور رضا ہمدانی نے مختلف پہلوؤں سے اس خطے کے پختونوں کی زندگی کا عکس پیش کیا ہے۔ پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کے مراحل، تاریخِ ادب، نظریات، معتقدات، سماجی و تمدنی روابط، مشاغل، مہمان نوازی، شجاعت اور سیاسیات گویا اس زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا گیا"۔(۵)

سید امجد الطاف کے افسانوی مجموعے "کچے دھاگے" میں بھی سماجی برائیوں کے خلاف ردعمل ملتا ہے۔ مذکورہ مجموعے کا افسانہ "پنڈولیئم" ایک اہم افسانہ ہے جس میں افسانہ نگار نے مقامی خوانین کا دولت کے نشے میں اخلاقیات سے غافل ہونا دکھایا ہے۔ اس افسانے کے مرکزی کردار ہارون اور زلیخا ایسے کردار ہیں جو مذہبی، تہذیبی اور اخلاقی قیود سے آزاد ہیں۔ مثلاً راوی ہارون کا تعارف یوں پیش کرتا ہے:

"ملک اللہ نواز۔۔۔۔ گاؤں کے واحد مالک، ذیلدار اور سرکارِ دربار کے کرسی نشین نے اپنے لائق بیٹے کے اداس چہرے کو غور سے دیکھا۔ تہ بند کے پلے سے نوٹوں کی گڈی نکال کر اس کے ہاتھ میں دی اور کہا عیش کر بیٹا"۔(۶)

اسی طرح زلیخا کا کردار بھی ایک عیش پسند اور غافل کردار ہے۔ ان دونوں کرداروں کے توسط سے مصنف نے اس خطے کے خوانین کا معاشرتی قیود اور اخلاقیات سے غفلت دکھا کر اس رویے کے خلاف ردعمل پیش کیا ہے۔

سحر یوسفزئی نے اپنے افسانوں میں مختلف سماجی برائیوں کو ہدفِ تنقید بنایا۔ ان مسائل میں ایک اہم مسئلہ اس خطے میں ذات پات کی تقسیم کی بنیاد پر نچلی ذات والوں کو حقارت سے دیکھنا ہے۔ افسانہ "ایک بالشت زمین" اور "اندھیرے کا بیٹا" اسی رویے کے

خلاف مزاحمت پر مبنی افسانے ہیں۔ "ایک بالشت زمین" نامی افسانے میں گجر قبیلہ کو کہیں بھی رہنے کے لیے زمین نہیں دی جاتی۔ اس قبیلے کو سب حقارت سے دیکھتے ہیں۔ یہ قبیلہ حیران و پریشان کبھی ایک سے رہنے کی جگہ مانگتا تو کبھی دوسرے کی منتیں کرتا۔ بالآخر ایک گاؤں پہنچ کر ایک خان سے زمین مانگی۔ خان نے کہا:

"یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ زمین پٹھان پٹھان سے ہی مانگ سکتا ہے" خان نے غصے سے کہا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ زمین خدا ہے کی اور اس میں سب کا حصہ ہے۔ ہم بھی اپنا حصہ لیں گے"۔(۷)

مجموعی طور پر سحر یوسفزئی نے اپنے افسانوں میں مختلف سماجی برائیوں کو اجاگر کیا اور ان کے خلاف ردعمل پیش کیا۔ سحر کے افسانے فنی اور تکنیکی لحاظ سے اپنے پیش رووں سے آگے بڑھتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جو یہاں افسانے کی روایت کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

رضا ہمدانی نے "پشتو افسانے" کے نام سے ایک افسانوی مجموعہ مرتب کیا جس میں چند طبع زاد افسانے اور کئی پشتو سے ترجمہ شدہ افسانے شامل ہیں۔ مجموعے کا اولین افسانہ "نجب خان" مراد شینواری کا لکھا ہوا ہے۔ اس افسانے میں کردار نجب خان ایک غیرت مند پختون ہے اور انگریزوں کے ساتھ آزادی کی جنگ لڑتا ہے۔ یہ کردار سیاسی مزاحمت کی ایک بہترین مثال ہے۔ جو انگریزوں کی سیاسی پالیسیوں اور حکمرانی کے خلاف اس قوم کا نمائندہ کردار ہے۔ انگریزوں نے اس کی مزاحمت سے تنگ آکر وادی تیراہ میں غداروں سے ساز باز کی۔ مقامی غداروں کی وجہ سے بالآخر نجب خان کو شکست ہوتی ہے۔ چند ایک لالچی کچھ پیسوں کے لیے اپنی غیرتِ قومی کا سودا کر لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں مولوی حضرات بھی نجب خان کے خلاف فتویٰ دے دیتے ہیں۔ کہانی کے آخر میں روای ایک عرصے بعد اس علاقے سے گزرتا ہے اور اس کا نواسا اس سے پوچھتا ہے کہ یہ محل کس کا ہے تو وہ مکالمہ یوں ہوتا ہے۔

شیر نے جنگل چھوڑ دیا اور گیدڑوں کی بن آئی۔ انگریزوں کے کارندوں نے دوسرے دن نجب خان کے گاؤں کو آگ لگادی۔ ہمارے وظیفہ خوار بھائیوں نے اپنا گھر پھونک کر خود ہی تماشا دیکھتے رہے۔ ہمارت قبیلے کی نااتفاقی کا ثبوت وہ کھنڈر ہیں۔ اور یہ محل اسی ملک کا ہے جو اپنے ایمان کا سودا کر چکا تھا"۔(۸)

مجموعی طور پر مراد شینواری کے افسانے مقامی رنگ میں رنگے ہوئے اور ایک خاص لوکیل میں ہی معنویت دیتے ہیں جب کہ لوکیل سے باہر ان افسانوں کی وہ اہمیت نہیں رہتی جو یہاں ہے۔

معاشرتی برائیوں کے خلاف فہمیدہ اختر ایک توانا آواز ہیں۔ ان کے دو افسانوی مجموعے "اپنے دیس میں" اور "کشمالہ" بہت اہم ہیں۔ انہوں نے ان مجموعوں کے افسانوں میں تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے انسانوں کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ ان کی افسانہ نگاری کے بارے میں مرزا ادیب رقم طراز ہیں:

"ان کے اکثر افسانوں میں کردار امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی دولت، عظمت اور شرافت پر ناز کرتے ہیں۔ لیکن فہمیدہ پس پردہ کھوکھلا پن دیکھتی ہیں جو اس نظام کا حصہ ہے اور جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ فہمیدہ ایک درد مند شعور رکھنے والی لکھاری ہیں"۔(۹)

فہمیدہ کے مجموعے "اپنے دیس میں" کا افسانہ "شاداب گلی کا ہیرو" ایک اہم افسانہ ہے۔ انہوں نے گلیات میں امیروں کی سیر اور مقامی لوگوں کی غربت کو دکھا کر اس افسانے میں ایک اہم حقیقت سے

پردہ اٹھایا ہے۔ زمان نامی چھوٹا بھکاری لڑکا اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ یہ لڑکا بھیک مانگ کر اپنے والدین کی مدد کرتا ہے۔ لڑکا اگرچہ کم سن ہے لیکن کافی سمجھدار ہے۔ وہ دیگر لڑکوں کو بھی تلقین کرتا ہے کہ اس کے والدین کو بھیک دیں۔ ایک طرف افسانہ نگار ان غریب بچوں کو زمین پر سوتے دکھاتی ہیں تو دوسری طرف امیروں کی پر تعیش زندگی یوں دکھاتی ہیں:

"کھانے کے کمرے میں گئے تو وہاں پلاؤ، زردہ اور مختلف قسم کے کبابوں اور نہ جانے کتنے ڈشز پر نظر پڑی۔۔۔۔۔۔ کافی دیر چھری کانٹوں کی آوازیں آتی رہیں۔ جواہرات سے لیس ہاتھ ڈشز کی طرف بڑھتے اور ہٹتے رہے"۔(۱۰)

اس افسانے میں مصنفہ نے ایک اہم سماجی برائی کی نشاندہی کی ہے۔ اگر امیر لوگ اپنی عیاشی کے سامان سے تھوڑی رقم بھی غریبوں کو دیں تو غریبوں کے دن پھر جائیں۔ لیکن یہ کام امیر طبقہ کبھی نہیں کرتا۔ اس طبقے کو بس اپنی عیاشی سے کام ہے چاہے غریب بھیک مانگے یا مر جائے۔ دوسری طرف یہ غریب بچے جھوٹ، فریب اور مکاری جیسے برائیوں میں مبتلا دکھا کر مصنفہ نے واضح کیا ہے کہ یہ تمام سماجی برائیاں غربت کے سبب ہیں جن میں امیر لوگ برابر کے شریک ہیں۔ اس افسانے میں مصنفہ نے فنی و فکری پختگی سے کام لیتے ہوئے خوبصورتی سے افسانہ بنا ہے۔

منور رؤف کے افسانوی مجموعے "انمول رتن" کے متعدد افسانوں میں سماجی برائیوں کے خلاف ردعمل ملتا ہے۔ انہوں نے خیبر پختونخوا کے مختلف علاقوں میں بعض اہم معاشرتی برائیوں کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ مذکورہ مجموعے کا افسانہ "سوہنی دھرتی" ایک اہم افسانہ ہے جس میں بابا صابر کلیری کے سالانہ عرس پر بعض غلط روایات اور رسومات کا تذکرہ بہترین انداز میں کیا ہے۔ راوی اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ وہ ان رسومات پر یوں ردعمل دیتی ہے:

"مجاور نے اندر جانے کے لیے پیسے طلب کیے۔ میں حیران ہوئی۔ یہاں بھی پیسے کا کھیل؟۔ پانچ روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ تب راہداری صاف ہوئی اور میں اندر داخل ہوئی۔ میری تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔۔۔۔ کیا ہندو کیا مسلمان۔۔۔۔ سب نے روضے کو سجدہ گاہ بنایا تھا"۔(۱۱)

مجموعی طور پر منور رؤف کے افسانے جدید موضوعات کے حامل اہم افسانے ہیں، جنہوں نے خیبر پختونخوا کی افسانوی روایت کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔

مشرف ربانی کے افسانے اگرچہ زیادہ تر رومانی اور تخیلی فضا میں بُنے گئے ہیں تاہم کہیں کہیں ان کے ہاں بعض اہم سماجی برائیوں کے خلاف ردعمل ملتا ہے۔ ان کا افسانہ "تہی دامن" ایک ایسا ہی افسانہ ہے جس میں مصنف نے بچوں پر توجہ نہ دینے اور دولت کی ریس میں لگ کر بچوں کو والدین کی محبت سے محروم رکھنے اور ان میں احساسِ محرومی پروان چڑھانے کے خلاف ردعمل کا مظاہرہ کیا ہے۔ مذکورہ افسانے کا کردار محرومی کا شکار کردار ہے۔ واحد متکلم کے صیغے میں یہ مرکزی اور راوی کا کردار ہے جو اپنی احساسِ محرومی کی کہانی سناتے ہوئے کہتا ہے:

"میرا دل چاہتا ہے میں ڈیڈی کی ٹانگوں سے لپٹ جاؤں اور وہ مجھے بازوؤں میں اٹھالے۔ ممی کے سینے میں گھس جاؤں اور وہ میرے بالوں اور چہرے کو چوم لے۔ بالکل ایسا ہی جیسے سرونٹ کوارٹر میں رہنے والے خانساماں، مالی، چوکیدار کے بچے میلے کچیلے وجود کے ساتھ اپنے ماں باپ کی آغوشِ محبت میں پناہ لیتے ہیں"۔(۱۲)

اس احساسِ محرومی میں شکار ہو کر جب یہ بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو لوگوں کے ساتھ منفی رویہ اختیار کرتا ہے۔ والدیں کے ساتھ بھی اس کا

رویہ انتقامی ہوتا ہے اور یہ لڑکا جرم کا راستہ اپناتا ہے۔

ڈاکٹر اعجاز راہی خیبر پختونخوا کے افسانے کا سب سے معتبر حوالہ ہیں۔ انہوں نے علامتی سطح پر سیاسی و سماجی برائیوں کو جدید طرز سے پیش کیا۔ ان کے افسانے یہاں کی عام روایت سے ہٹ کر ایک نئی روایت کی طرح ڈالتے ہیں۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "تیسری ہجرت" کے نام سے طبع ہوا، جس نے خیبر پختونخوا کے افسانے کو ایسا وقار بخشا جس کی مثال یہاں کے افسانے میں نہیں ملتی۔ ڈاکٹر اعجاز راہی نے مارشل لائی جبر اور فرد کے جدید مسائل کو علامتی پیرائے میں افسانے کا موضوع بنا کر ایک نئے طرز کی بنیاد رکھی۔

"تیسری ہجرت" کا افسانہ "اندھیرے کا سفر" ایسا ہی ایک علامتی افسانہ ہے۔ اس افسانے میں راوی کا کردار مرکزی ہے۔ یہ کردار علامتی پیرائے میں اپنے سفر کی کہانی سناتے ہوئے ایک جگہ کہتا ہے:

"میں آہستہ آہستہ دور ہوتے شہر کی روشنیوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ اب میرے چاروں طرف بے صدا آوازوں کا جال بچھ گیا۔ ہوا بازو پھیلا کر مجھے نرغے میں لینے کی کوشش کرتی رہی۔ میں نے سائیکل کی رفتار اور تیز کر دی۔ تب شوکتی ہوا اور تیز ہو کر مجھ پر حملہ آور ہوئی"۔(۱۳)

فیروزہ بخاری کے افسانوی مجموعے "سچ کا زہر" میں مختلف سماجی برائیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مذکورہ مجموعے کے افسانے "گل سانگہ" میں پختون کلچر کی خوبیوں اور خامیوں کا احاطہ کر کے خوبیوں کی حوصلہ افزائی جبکہ خامیوں پر تنقید کی گئی ہے۔ اس افسانے کے مرکزی کردار گل سانگہ اور پروفیسر شکیل کے درمیان مکالمے کا موضوع اکثر یہاں کا کلچر رہتا ہے۔ اس مکالمے کے ذریعے یہاں کے سماج کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ مصنف نے کئی خامیوں کا بھی احاطہ کیا ہے۔ مثلاً شکیل کے مکالمے سے یہ اقتباسات دیکھیں:

"ننگ و غیرت نام کے اوصاف پختونوں کے مزاج میں انتہاپسندی کا درجہ پیدا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ پشتو کی ایک ایک قدر پختون ہونے کے لیے لازمی ہے۔ اگر ایک کی بھی کمی ہو تو وہ پختون کہلانے کے مستحق نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں میں پختونستان یا پختونخوا سے گریز کروں گا۔ جن کا مطلب سیاسی لیڈروں کے نزدیک یہ ہے کہ جہاں پختون آباد ہیں اس علاقے کو پختونستان کہا جاتا ہے"۔(۱۴)

طاہر آفریدی نے "دیدن" کے نام سے افسانوی مجموعہ لکھا جس کا موضوع رومان ہے لیکن بعض افسانوں میں سماجی برائیوں کے خلاف ردعمل بھی ملتا ہے۔ ان کے ہاں اس خطے کے کسانوں کے مسائل اور لوگوں میں انتقام جیسی برائی کے خلاف مزاحمتی انداز ملتا ہے۔ افسانہ "بیری کا درخت" ایک ایسا ہی افسانہ ہے۔ جس میں جائیداد کے لیے ایک دوسرے کے قتلِ عام کے رویے کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں نصیر نامی لڑکا مرکزی کردار ہے۔ جس کے باپ کو اس کے ایک رشتہ دار ایوب نے اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر مار دیا ہے۔ ان چالاک قاتلوں نے اس موت کو طبعی موت قرار دیا ہے۔ اس پر بھی ایوب خان کو تسلی نہ ہوئی تو نصیر کو بھی مارنا چاہا لیکن اتفاق سے ایوب اور اس کا بیٹا جوابی فائرنگ کا شکار ہو کر نصیر کے ہاتھوں مر گئے۔ نصیر خان نے علاقہ غیر میں پناہ لی۔ پندرہ سال بعد جب اپنی محبوبہ سے ملنے آیا تو ایوب کے بیٹے نے اسے قتل کر دیا اور جائیداد پر قبضہ کر لیا۔

انور خواجہ کے افسانوں میں سماج کی کئی برائیوں کا احاطہ ملتا ہے۔ انور ایک پختہ فنی شعور رکھنے والے افسانہ نگار ہیں۔ انہوں نے اپنے علاقے کے علاوہ بیرون ملک رہنے والے ہم وطنوں کے مسائل کا احاطہ بھی کیا ہے۔ انہیں جنگلی حیات سے بھی خاص لگاؤ تھا۔ بقول واحد خان:

"انور خواجہ نے پہاڑی ماحول، جانوروں کے روزمرہ کے حالات،

مختلف ممالک کے رہن سہن اور مختلف تہذیبوں کے تصادم کو حقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ دیہاتوں کی محبت، دشمنی، تعصب، دھوکا بازی، جہالت اور جنسی بھوک وغیرہ کو انور نے خوبصورت انداز میں پیش کیا"۔(۱۵)

انور خواجہ کے پہلے افسانوی مجموعے "بوزنے بندر" میں اسی نام کا بہت خوبصورت افسانہ ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار عبدل گلیات کے جنگلوں میں رہتا ہے۔ اگرچہ وہ غربت اور بے بسی کی زندگی گزارتا ہے لیکن اسے جنگلی حیات سے بہت لگاؤ ہے۔ یہ کردار جنگلات کی غیر قانونی کٹائی اور بندروں کی سمگلنگ کے خلاف بڑے بڑے لوگوں کے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔ سیٹھ ہاشم اور سلیم خان اس غیر قانونی سمگلنگ میں ملوث ہوتے ہیں اور اپنے علاقے کے وسائل کی تباہی کی ان کو کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ان دونوں کا عبدل کے ساتھ مکالمہ ملاحظہ ہو:

"اس سال بندروں کو ایکسپورٹ کرنے کی آفر اچھی ہے۔ مال اچھا مل رہا تھا سو ہم انکار نہ کرسکے۔ نارتھ کے جنگل میں بندر بہت ہیں"۔

"میرا خیال ہے دس روپے فی بندر ہوگا"۔

سلیم خان نے کہا۔"کیوں عبدل ایک بندر پکڑنے کے کتنے لوگے"۔

عبدل کچھ دیر خاموشی سے ان کی طرف تکنے کے بعد چلایا۔"میں بندر نہیں پکڑوں گا اور نہ تم لوگوں کو پکڑنے دوں گا"۔(۱۶)

مجموعی طور پر انور خواجہ کے افسانے خیبر پختونخوا کے افسانوی روایت آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے فن وفکر دونوں سطحوں پر پختگی کا ثبوت دیا ہے۔

سید معصوم شاہ ثاقب کے افسانوی مجموعے "بند مٹھی" میں سماجی برائیوں پر رد عمل کے ساتھ ساتھ سیاسی رویوں کے خلاف مزاحمت بھی ملتی ہے۔ اگرچہ ان کا انداز اصلاحی ہے لیکن انہوں نے منفی سیاسی اور سماجی رویوں پر رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ مذکورہ مجموعے کا افسانہ "ناکام کامیابی" اس سلسلے کا ایک اہم افسانہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر مجموعے جو ابھی ابھی منظرِ عام پر آئے ہیں وہ ٹوٹی کہاں کمند اور لہو لہو سچائیاں جو دورِ حاضر کے سیاسی اور سماجی برائیوں کے خلاف بھرپور آواز ہے۔

احمد پراچہ کے افسانوی مجموعے "سوتی جاگتی کلیاں" میں ایسے افسانے میں شامل ہیں جن میں مختلف سماجی برائیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس مجموعے کے افسانے "کیچڑ کا پھول" میں بیٹیوں کے بیچنے کی رسم کے خلاف رد عمل موجود ہے۔

سیدہ حنا نے اپنے افسانوں میں کئی سماجی اور سیاسی برائیوں کا احاطہ کیا۔ ان کے تین افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا موضوع زیادہ تر عورتوں کے نفسیاتی مسائل ہے تاہم ان مسائل کے پس منظر میں جو سماجی مسائل کارفرما ہیں ان کا بھی مصنفہ نے احاطہ کیا ہے۔ افسانوی مجموعے "جھوٹی کہانیاں" کا افسانہ "خبرِ تحیرِ عشق سن" میں مختلف سیاسی و سماجی برائیوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ افسانہ خط کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ مرکزی کردار لڑکی جو اپنے محبوب کو خط لکھتے ہوئے معاشرے میں ظلم و بربریت اور سماجی برائیوں پر اپنا رد عمل دیتی ہے۔ اس خط کی ایک عبارت ملاحظہ ہو:

"یہاں زرداروں کی خدائی ہے اور ایک خاص طبقہ اپنے حلوے مانڈے کے لیے ہمیشہ ان کی پشت پناہی کرتا ہے۔ ان کے خلاف جو بھی بولے گا وہ یا تو اغوا ہو کر کسی تہ خانے میں پڑا رہے گا یا الحاد کے الزام میں سنگسار کیا جائے گا"۔(۱۷)

مشتاق شباب نے کئی افسانوں میں سیاسی جبر اور سماجی برائیوں کو علامتی سطح پر پیش کیا۔ عبدالکافی ادیب نے اپنے افسانوی مجموعے "بگڑے چہرے" میں کئی سیاسی اور معاشرتی خامیوں کا احاطہ

کیا ہے۔ اسی طرح اُمِ عمارہ نے اپنے افسانوں میں زیادہ تر بنگلہ دیش کے سماجی مسائل کو موضوع بنایا۔ وہ بذاتِ خود بنگلہ دیش میں بھی رہیں اور پھر ہجرت کر کے یہاں آئیں تو یہاں کے سماجی مسائل سے بھی صرفِ نظر نہ کیا۔ ان کے افسانوی مجموعے "دردروشن ہے" میں کئی افسانے ایسے ہیں جن میں مختلف سماجی برائیوں پر ردعمل ملتا ہے۔

زیتون بانو پشتو افسانے کا ایک معتبر نام ہیں۔ انہوں نے پشتو سے خود اپنے افسانوں کو ترجمہ کر کے "زندہ دکھ" کے نام سے یکجا کیا۔ اس مجموعے کا افسانہ "زندہ دکھ" اس خطے میں انتقام کی روایت کو سامنے لاتا ہے۔ زیتون بانو کا ایک اور افسانہ "فصیلیں" میں مقامی جاگیرداروں اور زمینداروں کے عام لوگوں پر ظلم وستم کے خلاف مزاحمت کا رویہ پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر پروین عظیم نے منفرد انداز میں سماجی برائیوں کے خلاف ردعمل دیا۔ ان کا افسانہ "کیچڑ کا پھول" ایک نیا اور منفرد موضوع سامنے لاتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ افسانہ پروین عظیم کا ایک منفرد اور خوبصورت افسانہ ہے۔ اس میں سماج میں رہنے والے لوگوں کی خامیوں اور رویوں کی بھرپور اور منفرد انداز میں فنی مہارت کے ساتھ عکاسی کی گئی ہے۔

علی کمیل قزلباس کا مرتب کردہ مجموعہ "پشتو افسانے" میں کئی پشتو افسانوں کا ترجمہ ہوا ہے۔ ان افسانوں میں اس خطے کے بعض منفی روایات پر ردعمل موجود ہے۔ اس مجموعے میں قیوم مروت کا افسانہ "بوجھ" میں مزدوری کے لیے نوجوانوں کے باہر جانے اور سالوں باہر رہنے جب کہ بیوی کا کسی اور کے ساتھ تعلق استوار کرنے کے رویے کو اجاگر کیا گیا ہے۔

یوسف عزیز زاہد کے بغیر خیبر پختونخوا کے افسانے کی تاریخ نامکمل ہے۔ ان کے افسانوی مجموعے "لایعنیت کی بھیڑ میں" اور "روشندان میں اندھیرا" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ یوسف عزیز نے علامتی انداز میں مختلف سماجی اور سیاسی برائیوں کو ہدفِ تنقید بنایا۔

"جنت کی تلاش" جیسے شاہکار ناول کے خالق رحیم گل نے بھی افسانے لکھے اور سماجی برائیوں کا احاطہ کیا۔ ان کا افسانہ "اندھی روح" سماج کے ایک اہم پہلو کو سامنے لاتا ہے۔ جس میں بچوں کو اغوا کر کے ان کو معذور بنا کے بھیک منگوانا کاروبار کی شکل اختیار کر چکا ہے جو ایک سماجی برائی ہے جس کی وجہ سے اخلاقی اقدار پائمال ہو رہے ہیں اور اس دور کے افراد کے مسائل کو سامنے لاتے ہیں۔

موسٰی گل کے افسانوی مجموعے "مدفن کہاں نصیب" کا افسانہ "ایک انگلی اس طرف اور چار" میں مذہبی فرقہ پرستی کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ اشراف حسین کے افسانوی مجموعے "آکاس بیل" میں معاشرتی رویے اجاگر کرنے والے کئی اہم افسانے ملتے ہیں۔

قیوم مروت کے افسانوی مجموعے "وہ میں بھی ہوں وہ تم بھی ہو" میں سماجی برائیوں کے ساتھ ساتھ سیاسی منفی رویے اور حکومتی افسران کے منفی رویوں کے خلاف مزاحمت ملتی ہے۔اسی طرح آصف اقبال سلیم کا افسانوی مجموعہ "موتی مرے ہوئے" کے نام سے طبع ہوا۔ اس مجموعے کا افسانہ "شہد" اس خطے کے بعض لوگوں کے دوغلے پن کے خلاف مزاحمت ہے۔ ڈاکٹر اختر نواز خان کا افسانہ "جمہوریت" ایک منفرد سیاسی و سماجی پہلو لیے ہوئے ہے۔

ان کے علاوہ شمیم فضل خالق، سید زبیر شاہ، محمد جمیل کاچو خیل، ڈاکٹر محمد اویس قرنی اور ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار نے اپنے افسانوں میں جہاں خیبر پختونخوا کے حالات و واقعات کو دلنشین انداز میں سامنے لانے کی کوشش کی وہاں پر یہاں کے سیاسی اور سماجی ماحول کے خلاف مزاحمت بھی کی۔ ان کا یہ مزاحمتی انداز ان کے واقعات کے بیان میں مزید دلکشی پیدا کرتی ہے۔

مجموعی طور پر خیبر پختونخوا کے افسانے میں ابتدا سے اب تک سماجی اور سیاسی برائیوں کے خلاف مزاحمت کا رجحان ملتا ہے۔ ابتدائی افسانے اگرچہ فنی لحاظ سے قدرے کمزور ہیں لیکن موضوع کے لحاظ سے اپنے سماج سے جڑے ہوئے ہیں۔ ساٹھ کی دہائی کے بعد کچھ خواتین نے مزاحمتی افسانے لکھے جن میں فہمیدہ، منور رؤف اور سیدہ حنا کے نام اہم ہیں۔ ان کے ہاں مختلف سماجی برائیوں کے خلاف ردعمل ملتا ہے۔ ستر کی دہائی کے بعد اعجاز راہی جیسے افسانہ نگار نے اس خطے میں افسانے کو وقار بخشا اور علامتی سطح پر سیاسی جبر کے خلاف مزاحمت کی۔ علامتی انداز میں مزاحمت کرنے والوں میں اعجاز راہی کے علاوہ یوسف عزیز زاہد اور ڈاکٹر اویس قرنی کے نام بھی اہم ہیں جنہوں نے مختلف سیاسی و سماجی برائیوں پر قلم اٹھایا۔ مجموعی طور ان چند افسانہ نگاروں کے علاوہ خیبر پختونخوا میں افسانے کی صنف زیادہ بہتر طریقے سے نہ پنپ سکی۔

حوالہ جات

۱۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اردو افسانہ"، فکشن ہاؤس، لاہور، 2015، ص38

۲۔ قتیل شیفائی، "خوبانیاں"، مشمولہ: "اٹک کے اس پار"، مرتبہ، فارغ بخاری و رضا ہمدانی، گوشہ ادب، لاہور، ۱۹۵۴ء، ص ۲۷۲

۳۔ غنی خان، "پور"، ترجمہ: عبدالودود قمر، مشمولہ "اٹک کے اس پار"، از، فارغ بخاری و رضا ہمدانی، گوشہ ادب، لاہور، ۱۹۵۴ء، ص ۱۹۹

۴۔ رضا ہمدانی، "غوبل"، مشمولہ: "اٹک کے اس پار"، محولہ بالا، ص ۸۷

۵۔ اظہار اللہ اظہار، "رضا ہمدانی، شخصیت اور فن"، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۸، ص ۱۳۲

۶۔ امجد الطاف، "کچے دھاگے"، استقلال پریس، لاہور، ۱۹۶۰، ص ۲۵

۷۔ سحر یوسفزئی، "آگ اور سائے"، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۷، ص ۱۱۵

۸۔ رضا ہمدانی، "پشتو افسانے"، نیا مکتبہ، پشاور، ۱۹۶۱، ص ۴۰

۹۔ مرزا ادیب، "پیش لفظ"، مشمولہ: "اپنے دیس میں" از فہمیدہ اختر، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور، ۱۹۶۱، ص ۱۲

۱۰۔ فہمیدہ اختر، "اپنے دیس میں"، محولہ بالا، ص ۴۱

۱۱۔ منور رؤف، "انمول رتن"، ایم جے بکس انٹرنیشنل، پشاور، ۱۹۷۴، ص ۱۴۴

۱۲۔ مشرف ربانی، "تہی دامن"، مشمولہ: "پاکیزہ"، پشاور، جنوری ۱۹۸۰، ص ۹

۱۳۔ اعجاز راہی، "تیسری ہجرت"، دستاویز پبلشرز، راولپنڈی، ۱۹۷۳، ص ۸۱

۱۴۔ فیروزہ بخاری، "سچ کا زہر"، ادارہ علم وفن، پشاور، ۱۹۸۰، ص ۱۰۵۔۱۰۶

۱۵۔ واحد خان "انور خواجہ، شخصیت وفن"، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے اردو، شعبہ اردو، جامعہ پشاور، ۲۰۰۸، ص ۸۰

۱۶۔ انور خواجہ، "بونے بندر"، شرکت ہرنٹنگ ہریس، لاہور، ۱۹۸۲، ص ۵۰

۱۷۔ سیدہ حنا، "جھوٹی کہانیاں"، پاک ڈائجسٹ پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۵، ص ۶۸